*حمیرا اسد وزئی

**پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود خٹک

بلوچستان کے اردو ناول میں خواتین کا سماجی شعور

Social consciousness of women in Urdu novels of Baluchistan

The writers play a vital role to enhance the mental and intellectual capability of the society,and bring it on the right track due to which people feel easy to follow the right direction. Every society has social and moral evils..These writers create such literature to reform the society which promote positive attitudes. In Balochistan urdu novel is an important genre. In Balochistan with the progress of urdu novel uptil now the great novelist came in limelight.The women novelist played a vital role in literature. and they created literary and thought provoking literature.These novelist fully represented civilizalional values and are known for their creative ability.In literary fiction of Balochistan,writers particularly women have produced novels having social awareness,civilizational and moral values.

keywords: intellectual, society, evils, genre, promote, limelight, literary.

ادیب اور دانشور معاشرے کو ذہنی اور فکری جلا بخشنے اور اسے درست راہ پر لانے میں اہمکر دار ادا کرتے ہیں۔جس کی بدولت انسان سیدھے راستے پر چلنے میں آسانی محسوس کرتا ہے۔ ہر معاشرے میں اخلاقی اور سماجی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ادیب اور دانشور معاشرے کی اصلاح کے ذمہ دار ہونے کے ناطے ایسا ادب تخلیق کرتے ہیں جس سے مثبت رویوں کو فروغ حاصل ہو۔بلوچستان میں اردو ناول نگاری کی ابتدا سے اب تک کئی بہترین ناول نگار سامنے آئے،قیام پاکستان سے قبل خواتین نے ادب کی مختلف اصناف میں اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے اِس میدان میں اہم مقام حاصل کیا۔ان کے اس ادبی اثاثے کو فنی وفکری سوچ کے تحت اعلی ادبی سرمایہ ہونے کا شرف حاسل ہوا۔ان خواتین ناول نگاروں نے ادبی فنی وفکری سوچ کے تحت اجتماعی زندگی کے سماجی

* پی ایچ ڈی اسکالر اُردو، جامعہ بلوچستان کوئٹہ۔humerasaddozai23@gmail.com

** چیئرپرسن ڈپارٹمنٹ آف اُردو،لٹریچر یونیورسٹی آف بلوچستان،کوئٹہ۔khalidkhatak23@gmail.com

شعور اور تہذیبی اقدار کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ بلوچستان میں اردو ناول کے حوالے سے خواتین ناول نگاروں نے سماجی، تہذیبی اور اخلاقی نوعیت کے شعور کو اجاگر کرتے ہوئے ناول تحریر کیے۔

کسی بھی معاشرے میں ادیب اور دانش ور اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے معاشرے میں اصلاحی کردار ادا کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ معاشرے میں رہتے ہوئے وہ اپنے اردگرد کے ماحول کا بہت/انتہائی ریک بینی سے مشاہداتی اور تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے معاشرتی وسماجی مسائل کو ادب میں احسن طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ یہ امر حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ادیب اور دانشور معاشرے کی ذہنی اور فکری جلا بخشنے اور اسے درست راہ پر لانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جس کی بدولت انسان راہ راست پر چلنے میں آسانی محسوس کرتا ہے۔ ہر معاشرے میں سماجی و معاشرتی کمیاں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں، ادیب اور دانشور معاشرے کی اصلاح کے ذمہ دار ہونے کے ناطے ایسا ادب تخلیق کرتے ہیں جس سے نہ صرف مثبت رویوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے بلکہ ان سماجی خرابیوں اور کمیوں کی جانب توجہ مبذول کی جاتی ہے۔ ادب ایسی تحریر کا نام ہے جن میں روزمرہ کے خیالات سے بہتر خیالات اور روزمرہ کی زبان کا اظہار ہوتا ہو۔ ادب انسانی تجربات کا نچوڑ پیش کرتا ہے۔ کتاب ادب کے مطالعہ میں مصنف اطہر پرویز تحریر کرتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں جو کچھ دیکھتا ہے، جو تجربے حاصل کرتا ہے، جو سوچتا ہے اور جو سمجھتا ہے، اس کے ردعمل کا عکس ادب کی شکل میں سامنے آتا ہے، جس سے اس بات کا اعادہ ہوتا ہے کہ ادب زندگی کے وسیع ترین مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور اس کے سبب پروان چڑھتا ہے۔

بلوچستان میں اردو ناول ایک اہم صنف ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس پسماندہ صوبے میں بھی ناول کا پودا ابتدا سے ہی پھلتا پھولتا رہا۔ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ بلوچستان کے افسانوی ادب میں اردو ناول نگاری کے حوالے سے کئی ناول نگار سامنے آئے ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل خواتین نے ادب کے مختلف اصناف میں اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے ادبی میدان میں اہم مقام حاصل کیا۔ ان کا یہ ادبی سرمایہ فنی اور فکری نوعیت کا شرف رکھتا ہے۔ ان خواتین ناول نگاروں نے فنی اور فکری سوچ کے ساتھ اجتماعی زندگی کے شعور اور تہذیبی اقدار کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو ادبی پاروں کے ذریعے اجاگر کیا۔ اور ان خواتین ناول نگاروں نے سماجی شعور کی ترجمانی کرتے ہوئے تہذیبی اور اخلاقی نوعیت کے ناول تحریر کیے۔

یہ سچ ہے کہ ادیب اور دانشور ہی معاشرے کو ذہنی اور فکری جلا بخشنے اور اسے درست راہ پر لانے میں اہم اور معاون کردار ادا کرتے ہیں۔ جس کی بدولت انسان راہ حق کی جانب گامزن ہوتا ہے۔ عمومی طور پر ہر معاشرے میں اچھائی اور برائی کے سبب خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ علم کی روشنی سے عدم آگاہی اور تعلیم کی کمی اور علم وادب میں دل چسپی نہ ہونا، معاشرے میں خرابیاں پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ بلوچستان میں ذہین اور اہل ادیبوں اور دانشوروں نے اپنی علمی وادبی خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر معاشرے میں اخلاقی اور سماجی صورتِ حال کو بہتر کرنے کی سعی کرتے ہوئے اعلیٰ پائے کا ادب تخلیق کرنے میں اہم کردار

ادا کیا۔ ادیب اور دانشور معاشرے کی اساس ہیں اس لیے معاشرے میں اصلاح کے ذمہ دار ہونے کے ناطے یہ لازم ہے کہ وہ ایسا ادب تخلیق کریں جس سے مثبت رویوں کو فروغ حاصل ہو۔

صوبہ بلوچستان کا شمار پسماندہ صوبے میں میں ہوتا ہے یہاں ادب تخلیق کرنا کسی نعمت سے کم نہیں ادیب کے فکری رویوں اور فکری سوچ و بچار سے ہی ادب کی آبیاری ممکن ہوسکتی ہے۔ ادیب ایک درویشانہ استغنا کے ساتھ نام ونمود کے جملہ عوامل سے بے خبر ہوکر کسی کونے کھدرے میں گُم ہوکر خود سے ہم کلام ہونے کا عادی ہوتا ہے اور اس ہم کلامی کے نتیجے میں جو ادب تخلیق ہوتا ہے وہ معاشرے کے رنگ واسلوب کا ترجمان بنتا ہے۔ جس طرح مربوط نظم سے آزاد نظم کا وجود ہوا۔ اسی طرح صنف نثر میں مربوط ومنظّم طرز سے ناول وافسانہ نے جنم لیا۔ جن پر بہت سے رجحانات کے اثرات مرتب ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد پیدا ہونے والے حالات و واقعات سے پاکستان کا کوئی بھی خطہ محفوظ نہ رہ سکا۔ انتشار وابتری کے سبب انسانی نفسیات سب سے زیادہ متاثر ہوئی۔ یہاں کے ادیب ومصنفین نے اپنی تحریروں میں ان حالات کو اجاگر کرتے ہوئے یہاں کے بسنے والے لوگوں کی ذہنی ونفسیاتی کیفیات کی تصویر کشی کی ہے۔

بلوچستان میں اردو ناول ایک اہم صنف ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ناول نگاری نے بلوچستان کے پس منظر میں سب سے اہم کام یہ کیا کہ بلوچستان اور پاکستان کے سماجی مسائل ومشکلات، ماحول اور روابط کو عالمگیریت سے جوڑ کر معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے یہاں کے ناول کو اپنی سماجی جڑوں سے پیوستہ رکھا۔ اور معاشرے کی تطہیر، صبر وبرداشت کے زاویوں اور علم وآگہی کی اس طرح ترجمانی کی کہ سماجیاتی عمل کی مکمل صورت نمایاں ہوئی۔ تقسیم سے پہلے ناول کے کئی نمونے ملتے ہیں۔ لیکن تقسیم کے بعد جب بلوچستان میں ناول لکھنے کی تحریک کا آغاز ہوا۔ بہت اچھے ناول نگار سامنے آئے جنھوں نے اس صنف ادب کی ابتدا اور ترویج میں اپنی کوششوں اور سعی کو بروئے کار لانے میں اہم کردار ادا کیا جس کی بدولت بلوچستان میں تخلیق ہونے والے اردو ادب میں ناول میں خاص اہمیت ملی اور سیاسی، معاشرتی اور نظریاتی موضوعات کی ترسیل میں ناول کو استعمال کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ہاں جو اصناف رائج ہوئیں وہ اصل میں مغرب سے درآمد شدہ تھیں۔ مگر ایک خاص زمانے میں ان کی مقبولیت بعض سیاسی اور سماجی کروٹوں کے سبب بھی بنی۔ ادب میں دیگر اصناف کی طرح ناول نے بھی مختلف تحریکوں کے اثرات کو قبول کیا اور ان کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا اور اس سبب اس میں بہت سے موضوعات نے کروٹیں لیں۔ اس طرح ناول معاشرتی، سماجی، معاشی تبدیلیوں کے ساتھ پروان چڑھتا رہا۔ تحقیق سے اس بات کا اعادہ ہوتا ہے کہ ناول نے مختلف تحریکوں کے اثرات کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے مختلف النوع خیالات کے تحت ادب تخلیق کیا گیا۔

بلوچستان کے ادب میں اردو ناول کا جائزہ لیتے وقت ان اہم ادبی اور ذہنی تحریکوں اور میلانات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو شعوری طور پر شروع کیے گئے اور جنھوں نے ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ تقسیم ہند کے بعد جن موضوعات نے اردو ناول میں مرکزی حیثیت حاصل کی ان میں ہجرت کے دُکھ، جلاوطنی، تہذیبی انتشار اور نفسیاتی الجھنوں کے ساتھ ہیئت کے نت نئے تجربات ملتے

ہیں۔اوران تجربات میں سب سے زیادہ اہمیت فکری اعتبار سے دور بینی اور ہیئت کے اعتبار سے شعور کی روکو حاصل ہوئی۔لہٰذا ناول نگاروں نے مغرب سے آنے والے وجودیت کے فلسفہ کو اپناتے ہوئے سماجی ماحول کی ترجمانی کی بلوچستان میں اردو ناول نگاری کی شروعات سے اب تک بہترین لکھنے والے سامنے آئے۔اور موجودہ دور میں بھی ان لکھنے والوں کے قلم سے مختلف النوع موضوعات کے تحت ادب تخلیق ہوااور ہورہا ہے۔کئی نئے موضوعات کو زیر بحث لایا گیااور لایا جارہا ہے جس سے ناول نگاری کے فن میں لطف ودلچسپی میں اضافہ ہورہا ہے۔ناول نگاری میں مختلف رجحانات کوملحوظ رکھتے ہوئے ناول تخلیق کیے جارہے ہیں۔رجحان جس کا مطلب خاص رُخ یا میلان سے ہےاور انگریزی میں اسکے لیے Trend کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔جس کامفہوم یہ ہے کہ ایک رخ یا ایک میلان کی جانب اشارہ جس کا تعلق خاص سے موضوع ہے یعنی خاص یا منفرد ذہنی رویہ، جوسماجی،معاشرتی،نفسیاتی،سیاسی،معاشی،سوچ وفکر کا ترجمان ہو۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی فرماتے ہیں:

> ''ادب میں نئے رجحانات بدلتے ہوئے حالات اوران کے نتیجے میں نئے نئے خیالات اورنظریات کے زیراثر پیدا ہوتے ہیں۔جب معیاروں میں تبدیلی ہوتی ہے اقدارنئی صورتیں اختیار کرتیں ہیں تو ادب بھی ان سے متاثر ہوتا ہے''۔[۱]

لہٰذا حالات کے بدلنے کے سب نئے خیالات اورنظریات سامنے آتے ہیں۔جن سے معیارات بدلتے ہیں تو اقدار کی صورتیں بھی تبدیل ہوتیں ہیں۔ان تبدیلیوں کے بنا پر حالات میں نئے رجحان پرورش پاتے ہیں۔جنھیں ادیب اپنی تحریروں میں نبھاتے ہیں۔بلوچستان کا ادب صنفِ ناول میں مختلف رجحانات کے تحت لکھا جا تا رہا ہے یا یہ کہنا درست ہوگا کہ بلوچستان کے اردو ادب میں مختلف نوعیت کے رجحانات کے تحت ناول تخلیق کیے گئے۔آزادی سے پہلے رجحانات کا سلسلہ اتنا نہیں تھا لیکن آزادی کے بعد بہت سے رجحانات ادب کا حصّہ بنے۔ان رجحانات میں تہذیبی،نفسیاتی،حقیقت پسندانہ،رومانوی،سیاسی،سماجی تانیثی طرز نمایاں دِکھائی دیتا ہے۔

تخلیق سے زیادہ مشکل اورکوئی کام نہیں۔اِسے کائنات کے مشکل ترین تجربات میں شامل کیا جاتا ہے۔عورت اگرچہ صنف نازک ہے مگر تخلیق جیسا فریضہ اس کے لیے طرہ امتیاز رہا ہے۔اور یہی تخلیق کار عورت ادبی تخلیق کے میدان میں بھی پیش پیش نظر آتی ہے۔ادب انسان کی روحانی قوت اورانفرادی ذہانت کا تخلیقی اظہار ہے۔جس کے تحت وہ زندگی کے سرچشموں کو توانائی عطا کرتا ہے۔کوئی بھی ادب اپنی تہذیبی اور ادبی تاریخ میں اُس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتا۔جب تک اس کی لسانی اور معاشرتی ترجمانی میں خواتین کی شمولیت اور کارکردگی کا عمل دخل نہ ہو۔خواتین نے گذشتہ کئی دہائیوں میں اردوادب کو مختلف النوع فکری اورفنی بلندیوں سے ہم کنار کیا ہے لیکن ادب میں ایسا کوئی تخلیقی جائزہ سامنے نہیں آیا جو خاص طور پر خواتین اورخصوصاً بلوچستان کے ادب میں خواتین کے کارناموں کو خاص فکری تسلسل کے تحت پیش کر سکے۔

قیام پاکستان سے قبل خواتین نے ادب کے مختلف شعبہ جات میں اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے ادبی میدان میں کارنمایاں کے درجے پر فائز ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اُن کا یہ ادبی سرمایہ فنی اور فکری خوبیوں کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے شعور اور تہذیبی اقدار کیا عکاس ہے قیام پاکستان کے بعد خواتین نے ادب کے ارتقا میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ لہٰذا ان خواتین کے ہاں جتنے رجحانات کی ترجمانی کی گئی ان میں اپنے عہد، تہذیب اور ثقافت اور معاشرتی جھلک نمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ عہد بہ عہد بدلتی زندگی کے تناظر میں صنفی امتیاز اور معاشرتی تصادم، ذہنی و جذباتی کیفیات، تاریخی اور سیاسی اُتار چڑھاؤ کا بالواسطہ اظہار ملتا ہے۔ ان خواتین کی نگارشات میں اس عہد کے تمام رجحانات، ادبی و غیر ادبی تحریکات اور اسالیب فکری وفنی آگاہی کے تحت مخصوص احساس کا اظہار موجود ہے۔ ان خواتین نے ادب میں تحریروں کے ذریعے اپنے احساسات وجذبات کے تخلیقی اظہار کو اپنی مخصوص فکر کے زاویے کے ساتھ بڑی فطری اور بے ساختگی سے پیش کیا اس کے علاوہ ان خواتین کی تحریروں میں سیاسی وسماجی ظلم واستحصال اور جبر اور حقوق کی پائمالی اور مروجہ اقدار وافکار کے خلاف صدائے احتجاج کا نمایاں اظہار سامنے آیا۔ اگرچہ ان فکری رویوں کی جانب کسی مرد لکھاری نے اتنی توجہ نہیں دی اور نہ ان احساسات کو بیان کرنے کی سعی کی۔ دراصل ان احساسات اور محرومیوں کو ایک عورت سے زیادہ کوئی اور موثر اور بہتر طرز سے بیان کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اس بنا پر ادب میں خواتین کی تخلیقی کوشش زیادہ معنی خیز اور موثر طور پر بیان کی گئی۔ ان خواتین کی تحریروں سے تشکیل پانے والے ادب میں عورت کے جو رنگ دِکھائی دیتے اِن میں اس کی نفسیاتی اور جذباتی کیفیات اور الجھنوں کی نوعیت کو جاننا اور سمجھنا آسان ہوگیا۔ بقول خالدہ حسین:

> ''عورت کے خون کا رنگ مرد سے مختلف نہیں مگر اس کا زندگی کے بارے میں وژن الگ اور ممتاز ہے۔ اس وژن کو وہ کس طرح فنی تقاضے سے نبھاتے ہوئے اظہار کا روپ دیتی ہے۔ اس سلسلے میں اِسے رعایتی نمبر دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ پس اِتنا دیکھیے کہ اگر عورت کا لکھا نکال دیا جائے تو دنیائے ادب کتنی مفلس، کس قدر قلاش ہو جاتی ہے۔''[۲]

بلوچستان کے اردو ناول میں زیادہ تر مرد حضرات اس میدان میں براجمان رہے۔ ان کی تخلیقات ادب میں شہرۂ آفاق نگارشات کے زمرے میں آتی ہیں اور ادب میں اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ چند خواتین ادبا کے نام بھی اعلیٰ ذوق کے ادب کو تخلیق کرنے میں سامنے آئے ہیں۔ بلوچستان کی ان خواتین نے اپنی منفرد پہچان کے ساتھ ناول تخلیق کیے اور بلوچستان کے افسانوی ادب میں بہترین ناول نگار کی حیثیت سے روشناس ہوئیں۔ بلوچستان کے اردو ادب میں ۱۹۶۰ء کی دہائی میں خواتین ناول نگار کثیر تعداد میں جلوہ افروز ہوئیں۔ ان خواتین نے سماجی شعور، تہذیبی اور اخلاقی نوعیت کے خیالات کے تحت ناول تحریر کیے۔ اور اپنے ناولوں میں سماجی مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے بلوچستان کی تہذیب، ثقافت اور رسم ورواج کی ترجمانی کی۔ اکثر ناول سماجی مسائل سے متعلق فکری زاویے سے ناول تخلیق کیے۔ اور لازوال کہانیاں تحریر کیں، جن سے اس عہد کا معاشرہ دوچار تھا۔ سماجی شعور کے حوالے سے ان خواتین نے ماحول کی ترجمانی کرتے ہوئے گھریلو مسائل کو کہانیوں کا روپ دیا اور ناول تخلیق کیے۔ ان خواتین کی تحریروں کا مطالعہ

کرنے سے اس بات اعادہ ہوتا ہے کہ اِنھوں نے اپنے اِردگرد کے سماجی مسائل کو اصلاحی رنگ اور رومانوی رنگ کے امتزاج سے بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ بلوچستان کے ادب میں اگرچہ خواتین مصنفین کے لیے انیسویں صدی کے اختتام تک ادب کے میدان میں قدم رکھنا آسان نہ تھا۔ تاہم بیسویں صدی کے وسط میں چند گنی چنی ناول نگاروں نے وہ معرکہ انجام دیا کہ بلوچستان کے اردو ادب کی تاریخ ان کے ناول اور افسانوں کے حوالے کے بنا لکھنا ممکن نہیں رہی۔ ان خواتین نے جو تحریریں ناول کے ذریعے زیب قرطاس کیں۔ اُنھیں بلوچستان کے افسانوی ادب کے اہم فن پاروں میں شمار کیا گیا ہے۔ ان تحریروں میں خواتین کی جرأت، نسائی و سماجی شعور کا اظہار بہ درجہ اتم دکھائی دیتا ہے اِن کی تحریروں میں سماجی شعور کے مختلف پہلوؤں کا مکمل ادراک اور اظہار ملتا ہے۔ خواتین ناول نگاروں نے اپنی تحریروں سے یہ ثابت کر دیا کہ مرد معاشرے میں مردوں کی بالادستی ہونے کے باوجود مردوں کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ خواتین زندگی کے مراحل میں کوئی کارنامہ انجام دینے سے قاصر ہیں۔ کیوں کہ ان کے کارنامے منصۂ شہود پر آ کر داد وصول کر چُکے تھے۔ بلوچستان کے ادب میں خواتین لکھاریوں کا شمار اگرچہ مردوں کے نسبت کم تھا۔ لیکن ان خواتین نے جتنا لکھا ادب کے لیے سرمایۂ افتخار اور بیش بہا خزانہ شمار کیا گیا۔ بلوچستان کے افسانوی ادب میں بحیثیت ناول نگار مندرجہ ذیل خواتین کے نام جانے پہچانے جاتے ہیں، جن کے ہاں سماجی شعور کو کھل کر بیان کیا گیا۔ یاسمین صوفی، حمیدہ جبین، رفعت زیبا، عذرا مرزا، قیصر شاہین اور ڈاکٹر انور فردوس قاضی ۔۔۔ ان خواتین نے جتنا لکھا وہ کسی تعریف کا محتاج نہیں۔

ان خواتین کی تحریروں میں بلوچستان کی سرزمین پر حیات گزارنے کے سبب فکری یکسانیت کا احساس ہوتا ہے۔ ان تمام خواتین نے جتنا لکھا۔ جس موضوع کو کہانی یا تحریر کا روپ دیا۔ وہ سب کے سب معاشرتی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہاں کی ثقافت، رسم، روایات کی جیتی جاگتی عکاسی ان خواتین کی تحریروں میں موجود ہے۔ بلوچستان کی خواتین کے ناولوں کا غائرانہ مطالعہ کرنے سے اور تمام ناولوں کا تقابلی جائزہ لینے سے ایک ہی خیال اور سوچ پیدا ہوتی ہے۔ کہ تمام کی تمام خواتین نے معاشرتی، سماجی اور نفسیاتی شعور کو مدنظر رکھتے ہوئے ناول تخلیق کیے۔ عورت ہونے کے ناطے تمام خواتین نے عورت کے مسائل اور اُس کے ساتھ رکھے گئے ناروا سلوک اور روایات و رسومات کے بھینٹ چڑھنے والی خواتین کے جذبات اور محرومیوں کو بہت خوبصورت پیرائے میں ناول کے اجزائے ترکیبی اور عناصر کے مروجہ اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے شاہکار کہانیاں زیب قرطاس کیں۔ بلوچستان کے ادب میں خواتین کے سماجی صورت حال کو موثر طریق سے بیان کیا ان خواتین ناول نگاروں میں قیصر شاہین کے ناول جس کا عنوان ''زرد پھول'' ہے جو ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا سماجی شعور کی ترجمانی اور معاشرتی رنگ کی عکاسی صاف دِکھائی دیتی ہے۔ ناول ''زرد پھول'' کے مدیر ''عماد صدیقی'' ناول کے پیش لفظ میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''قیصر شاہین نہ آپ کے لیے نئی ہیں اور نہ ادب کے لیے۔ ان کے افسانے پاکستان کے معیاری رسائل میں چھپتے رہے ہیں۔''[۳]

ان کے ناولوں کا بنیادی موضوع عورت اور اس سے متعلق مسائل ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں معاشرتی کجیوں کی

نشاندہی کی ہے۔ رومانیت کے رنگ کے پیش نظر عورت کے استحصال کی داستان کو موثر انداز میں بیان کرنے کے گُر سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے ناولوں میں رویوں کے منفی اور مثبت امتزاج کا رنگ جھلکتا ہے۔ وہ اپنے ناولوں میں مختلف کرداروں سے اسے نکلتے کی وضاحت کرتی ہیں۔ کہ کوئی بھی معاشرہ ہو وہاں کے مرد یا عورت منفی یا مثبت ہو سکتے ہیں۔ قیصر شاہین کے ناولوں میں رومانیت کے رنگ کے ساتھ ساتھ ترقی پسندی کا رجحان بھی ملتا ہے۔

حمیدہ جبیں کے ناولوں کے مطالعہ سے اُن کے فکری ارتقا کے تحت سماجی شعور و رنگ کی ترجمانی ملتی ہے۔ یہاں فکری ارتقا کے عناصر سماجی رنگ میں سامنے آتے ہیں۔ حمیدہ جبین بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں ۱۴/اگست ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئیں۔ ادبی ماحول کے تحت ادبی رجحان سے شغف رہا۔

اُن کا پہلا ناول ''فالتو لڑکی'' عنوان سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا جس پر صدارتی انعام اور نقد انعام کی مد میں ۸۰۰۰ روپے کی حقدار ٹھہریں۔ ناولوں کی تعداد ۳۲ ہے۔ حمیدہ جبیں نے اپنے ناولوں میں زیادہ تر گھریلو زندگی سے وابستہ مسائل کو اجاگر کیا ان کی کہانیوں کا مرکز طبقۂ نسواں ہی تھا۔ اِسی وجہ سے انھوں نے معاشرتی گھریلو مسائل کو موضوع قلم بنایا۔ اُن کے سماجی شعور کی ترجمانی ان کے ناولوں سے عیاں ہوتی ہے۔ موصوفہ نے ڈرامہ آرٹسٹ جمیل ملک سے ازدواجی رشتے میں منسلک ہونے کے بعد کوئٹہ سے لاہور سکونت اختیار کر لی۔ ادبی خدمات سے رشتہ نہیں توڑا البتہ تخلیقی کاموں میں کمی آ گئی۔

جہاں تک حمیدہ جبیں کے ناولوں کے موضوعات کا تعلق ہے تو ہمیں ان کی تحریروں میں بھی گھریلو زندگی سے وابستہ مسائل کی ترجمانی ملتی ہے انھوں نے معاشرتی شعور کے تحت گھریلو مسائل کو موضوع بنایا۔ ان کے ناولوں کا نمایاں رنگ اصلاحی اور رومانوی ہے اور طبقاتی تقسیم اور اس کی وجہ سے رونما ہونے والا امتیاز اور اس سے پیدا ہونے والے نفسیاتی اور معاشرتی مسائل ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں انسانی رویوں کی وجہ سے جو منفی اور مثبت اثرات پیدا ہوتے ہیں ان کی ترجمانی ملتی ہے۔ جو ان کے ترقی پذیر ادیبہ ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔ حمیدہ جبیں کے ناول ۶۰ کی دہائی کے رجحانات کے تحت تخلیق کیے گئے ہیں۔ مصنفہ کا ناول ''سوکھے پتے'' جو ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا، اس میں مصنفہ نے بنیادی طور پر جنگوں کے اثرات اور اس کے بعد پیدا ہونے والی سماجی اور نفسیاتی کیفیات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا یہ ناول روایتی، رومانی رجحان کے زیر اثر طبقۂ نسواں کے معاشرتی مسائل کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ فکر کا پس منظر آفاقی ہے لیکن موضوع وہی پرانا یعنی طبقۂ نسواں اور اس کے معاشرتی مسائل ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک نیا پن یہ ہے کہ یہاں عورت محض کمزور اور مظلوم نہیں بلکہ ارادوں کی مضبوط اور باہمت دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی تحریروں سے تمام سماجی زاویوں اور پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشرتی اصلاح کو ترجیح دی۔ اس ناول میں سمیرا کا کردار مرکزی ہے جو ایک حقیقی رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔

حمیدہ جبین کے ناولوں کی مقبولیت کا راز اس بات میں پوشیدہ ہے کہ ان کے ناولوں میں عورت ایک دکھیاری کی حیثیت سے مردانہ سماج سے انصاف کا تقاضا کرتی ہے۔ حمیدہ جبیں چوں کہ اصلاحی اور سماجی سوچ فکر رکھتی تھیں اس لیے ان کے ادبی رجحان میں

عورتوں کی سماجی زندگی اوران کی اصلاح کو زیادہ اجاگر کیا گیا۔ان کے ناول کی کہانیاں تانیثی تحریک کی ترجمان ہیں۔اپنے ناولوں میں مختلف رجحانات جن میں اصلاحی، مذہبی، رومانوی، حقیقت پسندانہ اور مختلف منفی اور مثبت رویوں کی مدد سے اپنی فکری نقطہ نظر کو موثر انداز میں پیش کرتی ہیں۔

نازشیریں کا نام ان کے موجودہ ناول کے ذریعے بلوچستان کے ناول کے ادبی مقام میں کافی اہمیت کا حامل رہا ہے اگر چہ مصنفہ کی حالات زندگی سے متعلق تلاش کے باوجود کوئی مواد نہیں ملا لیکن ان کے ناولوں سے ان کے فکری ارتقا اور سماجی شعور کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔نازشریں ترقی پسند ادیب کی سوچ رکھتی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عورت کی حیثیت سے اپنے ناولوں میں عورت کے حقوق اوران کی حیثیت اور بہتر زندگی کو گزارنے پر خاصا زور دیا ہے ان کے ناولوں میں بلوچستان کے معاشرے کی طبقاتی کش مکش اور سیاسی وسماجی استحصال سے پیدا صورت حال کی عکاسی ملتی ہے۔سماج کے پس ماندہ اور نادرا طبقے کے اور خاص کر خواتین کی سماجی ابتری کے خلاف ان کا احتجاجی رویہ ان کے ادبی اثاثے کو وقار بخشتا ہے۔ثانیثیت کے حوالے سے ان کا ناول ''بے قرار'' جو ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا مخصوص اہمیت کا حامل ہے یہ ایک سماجی اور اصلاحی نوعیت کا ناول ہے۔جس کا بنیادی موضوع ایک ایسا منفی رویہ جسے ضعیف الاعتقادی کا نام دیا جاتا ہے جو زیادہ تر طبقہ نسواں پر ہی اثر انداز ہوتا ہے لیکن یہاں اس منفی سوچ کا شکار صرف عورت نہیں بلکہ مرد کو بھی بتایا گیا ہے اوراس چیز کی ترجمانی کی گئی ہے کہ یہ منفی رویے قدرے بڑھ جاتے ہیں تو ایک رجحان کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔اس نفسیاتی اور نازک حساس معاشرتی مسئلے کو نازشریں نے اپنے ناولوں میں بنیادی موضوع کے تحت بیان کیا ہے انہوں نے اپنی کہانیوں میں شعوری طور پر سماج میں رونما ہونے والے نفسیاتی اور جذباتی استحصال کو معنویت کے ساتھ اجاگر کیا۔نازشریں بلوچستان کے عوام کی ذہنی پسماندگی اور یہاں کے طرز زندگی کو طنز کے نشتر کے ساتھ بیان کرتی ہیں انھوں نے عورت ہوتے ہوئے مردانہ سماج میں عورت کی بہتر حیثیت مرتب کرنے پر بھرپور زور دیا ہے۔اور احتجاجی فکر کی بنیاد کے تحت ایسی تحریریں ادب میں چھوڑیں۔جو آئندہ آنے والی نسلوں خاص کر خواتین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوسکتی ہیں۔بطور مصنفہ وہ ایک پنتھ دو کاج کی خصوصیت رکھتی ہیں۔انھوں نے جہاں اپنے ناولوں میں ضعیف الاعتقادی کو بیان کرتے ہوئے اسے ایک نفسیاتی مسئلے سے منسوب کیا ہے وہیں اس کے اثرات کو عورت کے نفسیاتی اور جذباتی استحصال کا سبب بھی بتایا ہے۔وہ لکھتی ہیں:

> ''جب تم پیدا ہوئیں تو ناگن تو نے اپنی ماں کو ڈس لیا۔باپ کی بربادی کا کارن بنی۔امی کے دل میں تمہیں بہو بنانے کی آرزو ہوئی تو وہ بے چاری اللہ کو پیاری ہوگئی۔یہ تیری نحوست نہیں تو اور کیا ہے تو جس گھر جائے گی وہ گھر تباہی و بربادی کا جہنم بن جائے گا۔'' [۴]

اس اقتباس میں مصنفہ کے فکری ارتقا اور سماجی شعوری فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔انھوں نے عورت اوراس کی ضعیف الاعتقادی کو یکجا کر کے بیان کیا ہے اوراس فکری سوچ کی عکاسی کی ہے کہ منفی رویوں کی بنیادی وجہ معاشرہ اور عورت دونوں ہیں۔جو بیٹی کی پیدائش پر بیٹی کو منحوس قرار دیتا ہے یہی نحوست اور بدبختی کا ٹیکہ عمر بھر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

عذرا مرزا بلوچستان کے ادب میں تانیثی ادب تخلیق کرنے میں اہم نام ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں تانیثیت کی جس بھرپور انداز میں عکاسی کی ہے ان کی مثال نہیں ملتی۔ ان کا لہجہ اور انداز بیاں خالص تانیثی ہے۔ ۲۲ اگست ۱۹۴۶ء میں بلوچستان کے شہر زیارت میں پیدا ہوئیں۔ تعلیمی سفر مکمل کرنے کے بعد ادب کی دنیا میں قدم رکھا۔ عذرا مرزا بحیثیت ناول نگار ادبی میدان میں براجمان ہوئیں تو انھوں نے عورت کی آزادی اور اس کے حقوق کے مطالبات کا نعرہ بلند کرنے کے برخلاف انتہائی نرم نرم اور مدھم آواز میں بالکل عین مردوں کے انداز میں تانیثیت کی حمایت کی اور عورت ہونے کے ناطے عورت کی نفسیاتی اور داخلی دنیا کو محسوس کرتے ہوئے اس کے احساسات اور جذبات کو دنیا کے سامنے لانے کے لیے بھرپور کوشش کی۔ عذرا مرزا کا ناول ''سیاں'' اگرچہ موضوعاتی طور پر جنگوں سے فرد اور معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کا ترجمان ہے اور ساتھ ہی ساتھ انسان اور انسانیت کے جذبات کا بھی ترجمان ہے۔ مصنفہ اس ناول میں انسان دوستی اور بھائی چارے کے جذبات کو موثر انداز میں بیان کرنے کی سعی کرتی ہیں۔ ''سیاں'' ناول کا مرکزی کردار بھی ہے جس نے تانیثیت کی راہ ہموار کرنے میں کلیدی کردار نبھایا۔ یہاں عذرا مرزا کا سماجی رنگ اور شعوری جسارت عورتوں کی مظلومیت اور استحصال اور بے بسی و مجبوری میں منفرد طرز فکر عیاں ہوتا ہے۔ اس ناول میں ان کی سوچ و فکر مردانہ بالادستی کے خلاف کمر بستہ ہے۔ مجموعی حیثیت سے ناول کا جائزہ لیا جائے تو عذرا مرزا نے ناول ''سیاں'' میں طبقہ نسواں کو استحصال کا سب سے زیادہ شکار ہونے والا طبقہ شمار کیا ہے۔ عورت زندہ ہو یا مر جائے۔ ہمیشہ معاشرتی استحصال کا شکار رہتی ہے۔ اس فکری سوچ کا اظہار سیاں کی ماں کی وفات کے واقعہ میں کرتی ہیں کہ جب سیاں کی ماں فوت ہو جاتی ہے تو ہسپتال والے اسے لاوارث جان کر Death cell ''ڈیتھ سیل'' میں پہنچا دیتے ہیں۔ جہاں نئے ڈاکٹر ڈاکٹری علم جاننے کے لیے اس کے مردہ وجود کو چیر پھاڑ کر نئے نئے تجربے کرتے ہیں مصنفہ نے بہت ہی دل گیر احساس کے ساتھ اس نکتہ کو بیان کیا کہ عورت اپنی عزت بچانے کی خاطر جان کی پروا نہیں کرتی لیکن مرنے کے بعد بھی اس کا استحصال کیا جاتا ہے۔ یہی سماجی شعور مصنفہ کے لیے تکلیف کا سبب ہے۔ اس ناول میں جہاں منفی فکر کے دھارے دکھائی دیتے وہیں مثبت رویے بھی مرد کے کردار میں سامنے آئے۔ استحصال مرد ہی کرتا ہے اور اس کا تدارک بھی مرد ہی کرتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار عورت ہے، جو کہ مظلوم ہونے کے ساتھ ساتھ باہمت بھی ہے اور حوصلے کے ساتھ اپنی عزت کی حفاظت کو ترجیح دیتی ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے بجائے بھیک مانگنے کے محنت مزدوری کو ترجیح دیتی ہے۔ عذرا مرزا نے اس ناول میں معاشرتی بدحالی کا تذکرہ بھی کرتی ہیں اور اس کا سبب منفی رویوں کو گردانتی ہیں اور ان کا یہی نکتۂ فکر موجودہ معاشرے میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ عذرا مرزا نے جس دور میں کہانیاں لکھنا شروع کیں۔ اس وقت عورت کی جو حالت تھی وہ انتہائی مایوس کن تھی۔ اسے معاشرے میں نہ کوئی اہمیت تھی اور نہ عزت و مرتبہ حاصل تھا۔ عورت کی اس زبوں حالی کو مدنظر رکھتے ہوئے ''سیاں'' کے کردار کے ذریعے عورت کو زندگی کے ہر میدان میں سرگرم، فعال، حقوق نسواں کا خواہاں، استحصال سے ماورا حیثیت حاصل کرنے کی خاطر جدوجہد کرتے ہوئے دکھایا۔ انھوں نے عورتوں کے مساوی حقوق کی حمایت میں سماجی شعور کے تحت آواز بلند کی اور صدیوں پر مبنی مردانہ استحصال کے خلاف بڑی ہمت کے ساتھ ڈٹی رہیں۔

یاسمین صوفی ۸ جولائی ۱۹۲۹ء کو بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں پیدا ہوئی درس وتدریس سے منسلک تھیں ملازمت کے بعد غریب غرباء کی مدد کرنے اور ان کے مسائل کو حل کرانے کو اوّلین ترجیح دی۔ ادبی زندگی کا آغاز ریڈیو پاکستان سے کیا۔ اور بچوں کے لیے گیتوں بھری کہانیاں تخلیق کیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ آپ بیتیاں تحریر کیں۔ افسانہ نگاری میں اپنے تخلیقی رنگ بکھیرے اور ان تخلیقی مشق کے بعد ناول نگاری کے میدان میں قدم رکھا۔ سب سے پہلا ناول ۱۹۶۴ء میں ''فریحہ'' کے عنوان سے ادب کا حصہ بنا۔ ان کے ناولوں کی تعداد سولہ ۱۶ ہے۔ ان کی کہانیوں کے بنیادی موضوع کا تعلق فرد اور معاشرتی زندگی سے ہے خود ساختہ بنائے گئے رسم و رواج کو شعوری طور پر منفی رویوں کا اظہار بتایا جو مشرقی معاشرے کے ہر طبقے میں موجود ہے۔ بچوں کی پیدائش سے پہلے گھر کے بزرگوں کے تقدیر کے ناجائز فیصلے جن کا خمیازہ دو زندگیوں اور پھر پورے سماج کو بھگتنا پڑتا ہے اس کے پس منظر میں مادیت پرستی کے رجحان کی نشاندہی کرتی ہیں اور مظلوم اور بے بس عورتوں کے المناک واقعات کے ذریعے سخت گیر نظام اور سماجی صورت حال کو اجاگر کرتی ہیں، جہاں روایت اور خاندانی آن بان کو برقرار رکھنے کے لیے معصوم ارمانوں کا خون کر دیا جاتا ہے۔ یاسمین صوفی کے ناولوں میں سماجی شعور آغاز سے انجام تک دکھائی دیتا ہے۔ ان کے موضوعات میں معاشرتی رویوں کی ترجمانی اور رسم ورواج میں غرق غلط سوچ وفکر اور منفی رویے کو ناولوں میں کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ ان کے نقطۂ نظر سے سماجی رویے ہی تلخ مسائل کو پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے لوگ قبل از وقت مر جاتے ہیں۔ دوسرے کے غلط فیصلوں کی پاداش میں حساس لوگ تنہائی اور پچھتاوے کی آگ میں جھلس جاتے ہیں۔

ناول ''آرزو'' کا مرکزی کردار آرزو ہے۔ جو گاؤں کی ایک باپردہ خاتون ہے۔ بچپن سے اپنی منتخب کردہ جیون ساتھی کے خواب آنکھوں میں سجائے جوانی کی منزل تک پہنچتی ہے جیون ساتھی اس کا آئیڈیل ہے اس کے لیے کسی اور کا خیال سوچنا گناہ ہے ناول کا مرکزی کردار نسوانیت کے جذبات سے لبریز دیسی معاشرت کی پروردہ ہے۔ جب کہ کہانی کا ہیرو شہری زندگی اور معاشرت کا ترجمان، بچپن کی منگنی اور بزرگوں کے فیصلے کا پاسداری کے سبب زبردستی آرزو کا جیون ساتھی بننے کے لیے مجبور ہے۔ اس کی شریک حیات آرزو اس کے معیار پر پوری نہیں اترتی ہے۔ لہذا وہ آرزو کو بحیثیت مجبوری شریک حیات قبول کرتا ہے لیکن مزاج میں عدم ہم آہنگی کے باعث اس رشتہ کو صحیح طور پر نہیں نبھا سکتا۔ یاسمین صوفی کا انداز اس ناول میں خالصتاً تانیثی ہے وہ سماجی برائیوں سے چشم پوشی نہیں کرتیں بلکہ ان کی نشاندہی کرتے ہوئے ان تمام اقدار کو کسی حد تک مردانہ، متکبرانہ اور منفی سوچ اور فرسودہ رسم ورواج کی مذمت کرتی ہیں۔ کہانی کے دونوں مظلوم کردار نازیہ اور آرزو فرسودہ رسم ورواج کی حامل قرار دیتے ہوئے ان کے بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور زبردستی کے رشتے کس طرح خاندان کے خاندان تباہ کر دیتے ہیں۔ یہاں مصنفہ کا مشاہدہ بہت اہمیت کا حامل ہے جہاں انھوں نے گاؤں کی معاشرت اور وہاں کی عورت کی روزمرہ معاملات کی حالت زار کو بیان کیا۔ وہیں بچپن کی منگنی اور آئیڈیل ازم کے نقصانات کو بھی کھل کر بیان کیا۔ بلکہ اسے کو سماجی برائیوں اور خامیوں کا سبب بھی بتایا ہے۔ یہاں پر مصنفہ نظام معاشرت میں ایک سدھار اور اصلاح کے پہلو کی متمنی ہیں۔ جس سے اس کے فن اور فکر ایک دوسرے سے متصل نظر آتے ہیں۔ مصنفہ ٹھیکرے کی مانگ کی روایت

پرعلم بغاوت بلند کرتے ہوئے ایسی پہلوؤں کی آ گاہی کرتی ہیں جس کے باعث رواج کی وجہ سے رشتوں اور خاندانوں کے ناطے شکستہ ہو جاتے ہیں۔ یاسمین صوفی کی تحریروں میں اصلاح معاشرہ کا رنگ عیاں ہے۔ اس ناول آرزو میں بھی یاسمین صوفی کے معاشرتی مسئلے کو بنیادی موضوع کے تحت کہانی کے روپ میں اصلاحی رنگ کو اجاگر کیا ہے۔

یاسمین صوفی کے دیگر ناول ''سپنوں کا آنگن''، ''شازمہ''، ''شمائلہ''، ''کرن''، ''امائمہ''، ''ایک کعبہ اور سہی''، ''کرن'' اور فریحہ بلوچستان کے ادب میں سماجی، معاشرتی، رومانوی اور تانیثی رنگ کی وجہ سے اونچے درجوں کے ناولوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان ناولوں میں یاسمین صوفی ایک بہترین قلم کار کے طور پر اپنے قلم کے حقوق کی ادائیگی کرتی ہیں۔ ان کے تمام ناولوں میں مرکزی کردار طبقۂ نسواں سے جڑا ہوا ہے۔ جس سے خواتین کی خانگی زندگی اور معاشرتی الجھنوں اور مصائب کی ترجمانی ہوتیہے۔

رفعت زیبا بلوچستان کے ادب میں بحیثیت ناول نگار ایک ایسا نام ہے جنھوں نے بہترین ناول نگاری کرتے ہوئے بلوچستان کے اردو ادب میں کثیر اثاثہ دیا۔ مصنفہ بلوچستان کے شہر لورالائی میں ۲۴ راگست ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ انھوں نے زندگی کے کئی پُر آشوب و نازک مراحل کا سامنا کیا لیکن باہمت ہو کر ان کا مقابلہ کرتے ہوئے زندگی کے شب و روز گزارے۔ ان کا کوئی ادبی پس منظر نہیں تھا۔ وہ فطری طور پر ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ رفعت زیبا اس وقت شعری رجحان کی جانب مائل ہوئیں۔ جب خواتین کے لیے شاعری شجر ممنوعہ تھی۔ رفعت زیبا نے اپنی ادبی دنیا کا آغاز ریڈیو پاکستان سے منسلک ہونے کے بعد کیا۔ یہی ان کے ادبی سفر کا آغاز تھا۔ ریڈیو سے منسلک ہونے کے بعد انھیں بہت سے ادبی لوگوں سے ملنے کے مواقع میسر آئے اور ان لوگوں سے تعلق استوار ہوا جن میں احمد فراز، منیر نیازی، پروین شاکر، حمایت علی شاعر، صبہا اختر، جمیل زبیری جیسے ادبی لوگ شامل ہیں۔ رفعت زیبا کا پہلا ناول ''رواج'' ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا اور یکے بعد دیگرے بہت سے تخلیقات سامنے آئیں۔ جن میں افسانوں کے مجموعے، ''اور آخر میں''، ''وہ قربتیں یہ فاصلے''، اور ناول ''ناسور'' اور ''چاند کا زہر'' شامل ہیں۔

ناول رواج میں رفعت زیبا نے ولور کو کہانی کا بنیادی موضوع کے تحت قبائلی معاشروں خاص کر پشتون معاشرے کے رواج کو بیان کیا یہ رواج اصل میں اسلامی روایات اور زندگی سے اخذ کیا گیا ہے۔ آغاز میں اس کی صورت کچھ اور تھی لیکن آج یہ خود ساختہ شکل میں قبائلی معاشرے میں مذہبی عقائد کی طرح راسخ ہو گیا ہے اور یہی خود ساختہ شکل ناول کا بنیادی موضوع ہے۔ رفعت زیبا نے اس ناول میں اپنی سوچ و فکر کے دائرے کو رواج ولور کا محور بنایا جس کی بنا پر معاشرے میں خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ انھوں نے دو رومانوی کرداروں کے ذریعے اس ناول کے پلاٹ کی تعمیر کی ہے مصنفہ نے اس ناول سے ولور کی وضاحت یوں کی ہے کہ ولور وہ رسم ہے جو قبائلی معاشرے میں لڑکی والے لڑکے والوں سے شادی کی ضروریات پورا کرنے کے لیے لیتے ہیں اور اس رقم سے دلہن کا سامان اور ضرورت کی اشیا لی جاتی ہیں۔ یعنی تمام رقم لڑکے والے لڑکی والوں کو دیتے ہیں۔ تب شادی کا اہتمام ہوتا ہے اور مصنفہ نے اس رواج کے تحت ولور زدہ معاشروں میں لڑکے والوں کو جن مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے اس پر گہری تنقید کرتے ہوئے اس رواج کو لعنت گردانا ہے۔ یہ لعنت ماضی میں بھی تھی اور آج بھی ہے رفعت زیبا نے اس نکتے کی نشاندہی کی ہے کہ یہ فرسودہ رسم و رواج انسانی جذبات اور

احساسات کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ناول کا ہیرو گل جو غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔گاؤں کے خان کی بیٹی تاجو سے محبت کرتا ہے۔ان کی سچی محبت طبقاتی تضادات سے ماورا ہے۔ان کے درمیان اگر کوئی دیوار ہے تو وہ ولور کی ہے۔اس ولور کی رقم کو پورا کرنے کے لیے گل خان دوسرے شہر کا رخ کرتا ہے اور برے لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے اور اسمگلروں کا آلہ کار بن جاتا ہے۔تاجو کی اپنائیت اور اسے حاصل کرنے کے لیے گل خان اپنے ضمیر کی آواز کو دبا دیتا ہے۔اس رقم کو پورا کرنے کے لیے اس کی کوشش رائیگاں جاتی ہے کیوں کہ مقررہ وقت تک جب گل خان گاؤں نہیں پہنچتا تو تاجو کا باپ حرص و لالچ کی بنا پر اپنی بیٹی کو اپنے دوست کے بیٹے منصور سے بعوض جائیداد منسوب کر لیتا ہے لیکن تاجو نکاح کے وقت اپنی سہیلی کی مدد سے گل کے پاس پہنچ جاتی ہے اور تاجو کے بجائے شریں کی شادی منصور سے ہو جاتی ہے۔تاجو کا باپ غیرت کے نام پر تاجو اور گل خان کا قتل کر دیتا ہے۔سچی محبت کے یہ متوالے زندگی میں تو نہیں مل پاتے لیکن مرنے کے بعد دونوں ایک ہی قبر میں دفن ہو جاتے ہیں۔یہ وہ حقیقتیں ہیں جو قبائلی اور طبقاتی نظام کے تحت معاشرے میں نظر آتیں ہیں۔یہ قبائلی لوگ رسم و رواج کو زندگیوں پر وارد دیتے ہیں اور ان رسوم و روایات کو قبائلی، مذہبی عقائد کا درجہ دیتے ہیں۔ رفعت زیبا نے اس ناول میں شعور کی لے میں معاشرتی خرابیوں اور انسانی جذبات و احساسات پر رسم و رواج کی فوقیت کی وضاحت کی ہے اور اس نکتے کی جانب توجہ دلائی ہے کہ یہ قبائلی لوگ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو کیسے رسم و رواج اور روایات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

رفعت زیبا کی ایک ادبی خوبی یہ ہے کہ وہ پوری جزئیات کے ساتھ کسی بھی مسئلے اور موضوع کو بیان کرتی ہیں جس کی وجہ سے پورا ماحول آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔طبقاتی نظام زندگی اور قبائلی رسم و رواج اور فرسودہ روایات سے پیدا ہونے والے مسائل کے سبھی زاویوں کو بہتر طور پر منعکس کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف واقعات میں عورت کی نفسیاتی کیفیتوں اور اس کے شعور و ادراک کو اپنے مخصوص اسلوب نگارش کے ساتھ بیان کرتی ہیں جس سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔رفعت زیبا کے ناولوں میں خالص تانیثی رنگ موجزن ہے۔وہ سماجی برائیوں سے چشم پوشی نہیں کرتی ہیں بلکہ ان کی نشاندہی کرتے ہوئے تمام اخلاقی اقدار، طبقاتی تضاد اور فرسودہ رسم و رواج کو کسی حد تک جرات مندی کے ساتھ بے نقاب کرتی ہیں اور انسانی جذبوں اور احساسات کی عظمت و توقیر اور اخلاقی قدروں کے لیے منفرد سماجی شعور کی ترجمانی کرتی رہیں۔

مجموعی طور پر اگر بلوچستان کی ناول نگار خواتین کے سماجی شعور اور ان کے ناولوں میں پیش کیے جانے والے جذبات کا جائزہ لیا جائے تو یہ تاثر کھل کر سامنے آتا ہے کہ خواتین ہونے کے ناطے ان ناول نگاروں نے بلوچستانی عورت اور اس سے منسلک معاملات، ان کے مسائل، اس کی نفسیاتی کیفیات کو بڑی جرات کے ساتھ ادب میں پیش کیا۔ادبی تخلیقات بنا مقصد کے تحریر نہیں کی جاتیں انھیں تحریر کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔چنانچہ ان ناول نگار خواتین نے عورت اور عورت کے مسائل کو مقصدی نکتہ نگاہ سے پرکھتے ہوئے سماجی شعور کو ناول کے ذریعے روشناس کرنے کی سعی کی جسے کافی پذیرائی ملی۔لہٰذا تحقیق سے ان معلومات سے آگاہی ملتی ہے کہ ان ناول نگار خواتین نے انسانی مزاج اور سماجی مسائل کو موثر انداز میں سماج میں موجود خواتین اور خصوصاً خواتین کے مسائل کو ادبی اصناف میں بخوبی نبھایا۔ان کا مقصد ایسے تمام عوامل کو لوگوں تک پہنچانا تھا جن تک ان کی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔اس کے علاوہ یہ بھی

حقیقت سامنے آئی کہ عدم مساوات، ظلم وستم، بربریت اور مذہبی بنیادوں پر خواتین سے بدسلوکیاں ،اور ناروا سلوک اور سماجی امتیاز جیسے تمام تصورات اور فکری سوچ کو سماجی شعور کے تحت اپنے ناولوں میں پیش کیا جس سے اس احساس کو اجاگر کیا گیا کہ ایک عام انسان بھی اپنی سماجی، معاشی، معاشرتی ناآسودگیوں سے واقف ہو کر اپنی طاقت اور عقل وشعور کے مطابق اپنے مسائل کو حل کر سکیں۔ اس قسم کی سوچ اور فکر نے خواتین کو اپنے مسائل سے نہ صرف آگاہی دی بلکہ اپنے مسائل کو شعوری طور پر جاننے کا موقع بھی ملا۔

حواشی:

۱ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، ''آزادی کے بعد اردو ناول کی ہیئت، اسالیب اور رجحانات''، پ ن، س ن، ص ۱۰۴۔

۲ ڈاکٹر نجمہ صدیق، ''پاکستانی خواتین کے رجحان ساز ناول''، پ ن، س ن، ص ۱۰، ۱۱۔

۳ شاہین قیصر، ''زرد پھول''، نقوش پریس، اردو بازار، لاہور، نومبر ۱۹۶۳ء ص ۷۔

۴ شرین ناز، ''بے قرار''، جون ۱۹۶۷ء، ص ۹۔

فہرست اسناد محولہ:

۱۔ خان، ممتاز احمد، ڈاکٹر: س ن، ''آزادی کے بعد اردو ناول کی ہیت، اسالیب اور رجحانات''

۲۔ شاہین قیصر: ۱۹۶۳ء، ''زرد پھول''، نقوش پریس، لاہور۔

۳۔ شرین ناز ۱۹۶۷ء، ''بے قرار''، انٹرنیشنل پریس، کراچی۔

۴۔ نجمہ صدیق، ڈاکٹر: ۲۰۰۸ء، ''پاکستانی خواتین کے رجحان ساز ناول''، ناشر سید محمد علی انجم رضوی، اظہار سنز، لاہور۔

۵۔ نیلم فرزانہ: ۱۹۹۲ء، ''اردو ادب کی خواتین ناول نگار''، فکشن ہاوس، لاہور۔

۶۔ یاسمین صوفی: ۱۹۷۲ء، ''پھول اور پتھر''، احسن برادرز، لاہور۔